اُردو ناول اور ابن صفی

[26 اپریل 1928 — 26 جولائی 1980]

از: محمد عارف اقبال

کچھ شخصیتیں ہفت رنگ (versatile) ہوتی ہیں یعنی ہمہ صفت۔ لیکن ادب کے حوالے سے ابن صفی کی شخصیت ہمہ صفت ہی نہیں بلکہ ہمہ جہت بھی تھی۔ ایسی شخصیت کبھی کبھی ہی جنم لیتی ہے۔ درحقیقت ابن صفی ایک عہد کا نام ہے جس نے اپنی تحریروں سے پوری تین نسلوں کو متاثر کیا ہے۔ مقبولیت کی یہ معراج بڑی مشکل سے کسی مصنف کو حاصل ہوتی ہے۔

ابن صفی الٰہ آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''نارہ'' میں 26/اپریل 1928 کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد صفی اللہ صاحب ملازم پیشہ تھے جو اپنی ملازمت کے سلسلے میں زیادہ تر باہر ہی رہتے تھے۔ پرائمری اسکول کی تعلیم انہوں نے نارہ میں حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے حصول کے لئے اپنی والدہ اور چھوٹی بہن کے ساتھ الٰہ آباد آ گئے تھے۔ ابن صفی کی تمام صلاحیتیں ان کی ماں کی طرف سے انہیں وراثت میں ملی تھیں۔ اس لئے کہ ابن صفی کے نانہال میں اہل تصنیف بھی گزرے ہیں۔ حکیم احسان علی مرحوم ابن صفی کے پرنانا تھے۔ انہوں نے متعدد کتابیں طب یونانی پر لکھی تھیں۔ علمی اور ادبی ذوق کے سبب گھر میں کتابوں کا انبار لگا تھا۔ ابن صفی نے کتابوں کے اسی انبار میں آنکھیں کھولی تھیں۔ مطالعہ کا شوق بچپن ہی سے پیدا ہو گیا تھا اور صرف سات آٹھ سال کی عمر میں مشہور و معروف داستان ''طلسم ہوش ربا'' کی ساتوں جلدیں ختم کر ڈالی تھیں۔ 1942ء میں جب وہ الٰہ آباد کے ڈی۔ اے۔ وی اسکول میں ساتویں درجے کے طالب علم تھے تو ہندوستان کی پوری فضا انقلابی نعروں سے گونج رہی تھی۔ انگریزوں سے ''ہندوستان چھوڑ دو'' کا نعرہ اپنے شباب پر تھا۔ اس زمانے میں ابن صفی جو اس وقت صرف اسرار احمد ناروی تھے اور ان کی عمر صرف 13 برس تھی، ایک بہت اچھی انقلابی نظم کہی تھی جو کافی مشہور ہوئی۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اب چھوڑ بھی دو میرا دامن، للّٰلہ نہ روکو جانے دو
وہ دیکھو اُفق کے سینے پر لہرائے شہیدوں کے دامن
بن جائے گا لالہ زار وطن کچھ دیر میں شہدا کا مدفن
گر راہِ وفا میں کام آؤں، سیندور سے مانگ بھرے رہنا
بندی نہ مٹانا ماتھے کی تم میری راہ تکے رہنا
میں خواب میں اکثر آؤں گا سینے میں آس رکھے رہنا
اب چھوڑ بھی دو میرا دامن، للّٰلہ نہ روکو جانے دو

ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن صفی کی اٹھان ہی شعری و ادبی ذوق کے ساتھ انقلابی فکر و عمل پر ہوئی تھی۔

ابن صفی نے ایونگ کرسچین کالج، الٰہ آباد سے انٹرمیڈیٹ پاس کرنے کے بعد 1947ء میں الٰہ آباد یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔ بی۔ اے (سال اول) کے طالب علم تھے لیکن کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہ الٰہ آباد یونیورسٹی میں تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور بعد میں انہوں نے آگرہ یونیورسٹی سے بی۔ اے کیا۔

ابن صفی کی تہہ دار شخصیت مختلف خوبیوں اور صلاحیتوں کی حامل تھی۔ شاعر، ادیب اور طنز نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے اندر درس و تدریس کا بھی خاص ملکہ تھا۔ 1949ء سے 1953ء تک وہ یادگار حسینی اسکول میں ٹیچر بھی رہے۔

ابن صفی کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا تھا اور اس میدان میں بھی انہوں نے اپنی ذہانت اور انفرادیت کی تابناک شمعیں روشن کی ہیں۔ بقول شاعر لکھنوی:

''جناب اسرار ناروی (یعنی اسرار احمد صاحب ناروی) شاعر پہلے ہیں اور 'ابن صفی' بعد کو۔ اپنا جاسوسی ہیولیٰ اختراع کرنے سے پہلے یہ حضرت خالصۃً (بغیر کسی ملاوٹ کے) ایک معصوم شاعر کا درجہ رکھتے تھے۔ شعر و ادب سے ذوق رکھنے والے لوگ یقیناً حضرت نوحؔ ناروی کے نام نامی سے واقف ہوں گے۔ وہ شعر و ادب کی صفِ اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور ان کے زبان و بیان کا سکہ پورے متحدہ ہندوستان میں رواں دواں تھا۔ حضرت نوحؔ ناروی، حضرت داغؔ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور ان کو جانشین کی حیثیت سے پوری ادبی برادری جانتی پہچانتی تھی۔ یہ اسرار ناروی انہی کے نواسے ہیں۔''

1948ء میں جب عباس حسینی (مرحوم) نے ماہنامہ نکہت

الٰہ آباد کی داغ بیل ڈالی تو ابتدا ہی سے ابن صفی اس خصوصی ٹیم میں رہے جس میں اس وقت کے معتبر شاعر و ادیب، ڈاکٹر مجاور حسین (ابن سعید)، شکیل جمالی، راہی معصوم رضا، اشتیاق حیدر، قمر جائسی، نازش پرتاپ گڑھی وغیرہ شامل تھے۔ وہ 1953ء تک ماہنامہ نکہت کے معاون مدیر بھی رہے۔ غزلوں، نظموں اور کہانیوں کے علاوہ جب ابن صفی نے ''طغرل فرغان'' کے نام سے طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تو اس دور کے اہل نظر ان کی اس غیر معمولی صلاحیت سے چونک پڑے تھے۔

جاسوسی ناول کا باضابطہ سلسلہ 1952ء سے شروع ہوا تھا اور اسرار احمد ناروی ہر ماہ ایک ناول ابن صفی کے نام سے لکھنے لگے۔ اس سے قبل اردو میں صرف تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم پائے جاتے تھے یا دو تین ناول ظفر عمر کے تھے وہ بھی ان کا تخلیقی کارنامہ نہیں تھا بلکہ مارس لبیلانک کے چند ناولوں کو مقامی رنگ و روغن میں پیش کر دیا گیا تھا۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اردو جاسوسی ناول نگاری میں ابن صفی ایک عہد کے موجد ہیں۔

ابن صفی کا پہلا ناول ''دلیر مجرم'' مارچ 1952ء میں شائع ہوا تھا۔ اس ناول کو پڑھنے والے ابن صفی کے غیر معمولی دلکش اسلوب اور سحر انگیز انداز بیان پر چونک پڑے تھے... پھر تو ان کی صلاحیتوں کی روشنی بڑھتی ہی گئی، پھیلتی ہی گئی۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا بھی آیا جبکہ وہ اپنے قارئین کے دلوں پر ایک طرح سے 'حکمرانی' کرنے لگے۔

ابن صفی کے والد صفی اللہ مرحوم پہلے ہی ہجرت کر کے کراچی میں مقیم ہو گئے تھے اس لئے والدین کے احترام اور حکم کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے ابن صفی کو بھی 1953ء میں پاکستان ہجرت کرنی پڑی۔ شکیل جمالی لکھتے ہیں:

''لیکن قلم کا جو رشتہ وہ اپنے وطن کی سرزمین سے منسلک کر چکے تھے، اس رشتے سے آخر وقت تک مخلص رہے اور ان کا قلم ملک کے بٹوارے کی طرح کسی حصے میں منقسم نہیں ہو سکا۔ ان کی نظریں حد بندی کی قائل نہیں تھیں، وہ کسی مخصوص سماج اور معاشرے کو قانون کی عظمت و بزرگی کا احساس نہیں گردانتے تھے بلکہ ان کا پیغام دنیا میں پھیلے ہوئے انسانوں کے لئے تھا اور یہی وجہ ہے کہ ابن صفی نے ہندو پاک میں بیک وقت مقبولیت اور شہرت کی وہ معراج حاصل کر لی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔''

ناول کی تفہیم اور اس کا ارتقاء

کہا جاتا ہے کہ ناول کی تعریفیں ایک سے زائد ہیں۔ بہ الفاظ دیگر ابھی تک اس کی متعین تعریف نہیں کی جا سکی ہے۔ تاہم اس کے بارے میں متفقہ خیال یہ ہے کہ ناول انتہائی سنجیدہ تخلیقی سرگرمی کا نام ہے۔ ناول اپنے کرداروں کے قصے کو تمام تر تنوعات کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ممتاز احمد خاں کے بقول:

''اس میں فلسفیانہ گہرائی ہوتی ہے اور یہ رفعتِ خیال اور بصیرت سے ہم آمیز ہوتا ہے۔ ناول کی اہمیت یہ ہے کہ یہ زندگی کے بڑے گہرے مسائل سے نبرد آزما ہوتا ہے جن میں حیات و ممات کے مسائل، جبر و استحصال اور داخلی و خارجی حقائق کا جان لیوا دباؤ یہ سب مل کر ناول کو رزمیہ درجہ عطا کر دیتے ہیں۔''

پریم چند اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں:

''اعلیٰ مذاق کا ناول انسان کی عادت پر اس سے بدرجہا زیادہ اخلاقی اثر پیدا کرتا ہے جتنا کہ فلسفیانہ، مؤرخانہ یا شاعرانہ تصنیف کر سکتی ہے۔''

اردو میں ناول کے ارتقا پر جب گفتگو کی جاتی ہے تو اس سلسلے میں ڈپٹی نذیر احمد کا نام سرفہرست آتا ہے۔ کیونکہ پہلی بار ان کا ناول، ناول نگاری کے سارے تقاضوں کو پورا کرتا نظر آتا ہے۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے وقت کی سچائیوں اور حقیقتوں کو افسانوں کے سحر سے دلکش بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حقیقت نگاری کی سادگی سے اس میں وہ سحر پیدا کر دیا جو بڑے ناولوں میں پایا جاتا ہے۔ اس ذیل میں ان کے ناول ''توبۃ النصوح'' اور ''مرأۃ العروس'' کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ مرزا ہادی رسوا کے ناول ''امراؤ جان ادا'' کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ یہ ناول دراصل اس لئے اہم قرار پائے کہ ان کی بنیاد زندگی پر رکھی گئی تھی اور جن کے کردار سانس لینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال قبل ہی اردو زبان اس حد تک نشو و نما پا چکی تھی کہ اس کے دامن میں ''داستان امیر حمزہ'' جیسی طویل کہانیاں سموئی ہوئی ہیں۔ لیکن کوہ قاف کی فضا میں اس کے تمام کردار کرشماتی خصوصیات رکھتے ہیں۔ یہ سب کے سب انسانی صفت سے محرومیت کی حد تک دور نظر آتے ہیں۔ لیکن ''باغ و بہار'' اور ''فسانہ عجائب'' سے ہوتے ہوئے

''مراۃ العروس'' کے سارے کردار کچھ نہ کچھ زندگی کے آثار لئے ہوئے ضرور ملتے ہیں مگر داستانی عہد کی کرشماتی صفات ان کے وجود سے بھی الگ نہ ہوسکیں۔ مولوی نذیر احمد کے ناولوں سے آگے پنڈت رتن ناتھ سرشار کے ناولوں میں پنڈت، طبیب، جوتش، پتنگ باز، افیونی، چانڈو باز، غنڈے، شہدے، فقیر، جوگی، سیٹھ، بزاز سبھی اپنی اصل صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں۔'' فسانۂ آزاد'' ان کا سب سے اہم ناول قرار دیا گیا ہے جس میں زندگی سب سے اہم موضوع کے طور پر ہے۔ اس کے بعد اردو ناول عبدالحلیم شرر، پریم چند اور مرزا عظیم بیگ چغتائی سے سفر کرتا ہوا جدید ناول نگاروں کے دور میں داخل ہوا۔ ان ناول نگاروں کی ایک لمبی فہرست بتائی جاتی ہے جن میں خاص طور پر مستنصر حسین تارڑ، قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی، انیس ناگی، سجاد ظہیر، انتظار حسین، بانو قدسیہ، عصمت چغتائی، خدیجہ مستور، رشیدہ رضویہ، احسن فاروقی، ممتاز مفتی، شوکت صدیقی، عبداللہ حسین، الیاس احمد گدی، کرشن چندر، جمیلہ ہاشمی، فضل احمد کریم فضلی، محمد خالد اختر اور جیلانی بانو کی ادبی حیثیت کو ناول نگاری کے فن میں مستند اور ان کے ناول کے کرداروں کو 'زندگی' سے قریب کردار تسلیم کرتے ہوئے انہیں ادب میں نمایاں مقام عطا کیا گیا۔

یہاں مذکورہ ناول نگاروں پر گفتگو کرنے کا موقع نہیں کہ ان کے ناول کس حد تک فن پر اترتے ہیں اور مقصدیت کے لحاظ سے وہ کہاں تک کامیاب اور زندگی و سماج سے کتنے قریب ہیں۔ یہ کام اردو کے ان نقادوں کا ہے جنہوں نے بڑی حد تک ان کے فن پر تحقیق اور گفتگو کی ہے اور ان کے ناولوں میں جو فنی خرابیاں یا کمیاں ہیں اس سلسلے میں ان کی آرا بھی پائی جاتی ہیں۔

ہمارا موضوع فی الحال اردو کے اس ناول نگار کی خدمات کا احاطہ کرنا ہے جنہوں نے اپنی زندگی میں تین سو سے زائد ناول لکھے۔

ابن صفی اپنی حیات کے آخری لمحے (م: 26/ جولائی 1980) تک اردو کی خدمت کرتے رہے اور اس کے فروغ کو اپنی زندگی کا لازمی جزو قرار دیا۔ لیکن ابن صفی کے ساتھ سب سے بڑی ٹریجڈی یہ رہی کہ ان کو اپنوں نے ہی پہچاننے سے انکار کر دیا۔ اس ضمن میں احمد صغیر صدیقی اپنے ایک مضمون میں ماہنامہ شاعر، ممبئی کی اشاعت جنوری 1994 میں شائع ایک خط کا حوالہ دیتے ہوئے مکتوب نگار کے الفاظ یوں نقل کرتے ہیں:

''اردو ادب کی یہ بھی بیماری ہے کہ یہاں جو شخص زینہ بہ زینہ پہنچ جاتا ہے وہ اوپر ہی اوپر دیکھتا ہے۔ نہ نیچے دیکھتا ہے نہ دائیں بائیں۔ اپنے پیش رووں کو مسخرے، ہم عصر کو بونے اور نئے لکھنے والوں کو کیڑے مکوڑے سمجھنا اس کی عادت اور اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔ اب یہی دیکھئے ابھی پچھلے دنوں انتظار حسین (پاکستانی افسانہ نگار) میسور آئے تھے۔ وہاں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا۔ 'کون ابن صفی؟' جبکہ ابن صفی نے ایک پوری نسل کو پڑھنا سکھایا۔ انتظار حسین یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ انہیں اور ان کے ہم عصروں کو جو قاری ملے ان میں سے تین چوتھائی کی ذہنی تربیت ابن صفی نے کی تھی اور کیا عجب کہ اس دور کے کچھ لکھنے والوں نے ابن صفی کو پڑھ کر ہی لکھنا سیکھا ہو۔ جہاں تک compact زبان کا سوال ہے (میں تخلیقی زبان نہیں کہہ رہا ہوں، کمپیکٹ زبان کہہ رہا ہوں اور وہ بھی noun کے صیغے میں نہیں بلکہ adjective کے صیغے میں) ابن صفی کی زبان انتظار حسین سے بہتر ہے۔''

تاہم ایک معروف ادیب نے ابن صفی کو پہچاننے سے تو انکار نہیں کیا لیکن ان کی ادبی حیثیت کو تسلیم کرنے میں انہیں تامل رہا۔ بزرگ صحافی و ادیب سعید سہروردی لکھتے ہیں کہ ایک مجلس میں سید احتشام حسین نے اعتراف کیا:

''اگرچہ میں اسے حقیقت سے فرار کا ادب مانتا ہوں لیکن اگر رسالہ میرے ہاتھ لگ جاتا ہے تو شروع سے آخر تک پڑھ ڈالتا ہوں۔ میری بیوی تو باقاعدگی سے پڑھتی ہے۔''

ابن صفی کے سلسلے میں کم و بیش یہی رویہ اردو ادب کے تمام ہی جدید ادیبوں اور نقادوں کا رہا۔ ابن صفی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جس مشنری جذبے کے ساتھ اردو کی خدمت کر رہے ہیں فی الحال اس وقت ادبی دنیا کا کوئی شخص انہیں گھاس نہیں ڈالے گا۔ ابن صفی یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ جدید ادب کے تخلیق کار کو ہر جگہ صرف مزدور ہی دکھائی دے رہے ہیں جن پر سرمایہ داروں نے عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ جدید ادب کی تخلیق کا ایک ہی مقصد پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے روٹیوں کا حصول رہ گیا ہے۔ ان میں نفس کی بندگی کرنے والے بعض ایسے ادیب و شاعر بھی تھے جو سرمایہ داروں سے شدید نفرت کا اظہار تو کرتے تھے لیکن غم غلط کرنے کے لئے بعض اوقات وہ سرمایہ داروں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔ ابن صفی مسلسل یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ جب ادبی اور شعری محفلوں میں وہ مزدوروں اور مظلوموں کا ذکر

کرتے کرتے تھک جاتے تو شراب و شباب کے ذکر سے اپنی روح کو تسکین دیتے اور جام و سبو لنڈھاتے ہوئے ان کی صبح ہوتی۔ ابن صفی نے اول روز سے اپنے کو اس طرح کی محفلوں سے دور رکھا۔ انہوں نے اردو کی خدمت کا جو نصب العین متعین کیا تھا اس کی پاسداری آخری وقت تک کی۔ ان کو اس کی پروا نہیں تھی کہ کوئی ان کو بڑا ادیب، شاعر یا ناول نگار کہے۔ وہ تو اپنی ادبی دنیا میں بھی بن پیئے مست رہنے کے عادی تھے۔ وہ تو اس بات کے قائل تھے—

''اپنے وجود ہی کی مستی کیا کم ہے کہ کسی نشے کا سہارا لیا جائے۔'' (صحرائی دیوانہ)

تاہم دیار غیر کی ایک معروف انگریزی ناول نگار کی دوررس نگاہیں ابن صفی کو دیکھ رہی تھیں اور اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر کے ادب سے ان کی واقفیت ہی نہیں بلکہ اس پر وہ گہری نگاہ رکھتی تھیں۔ خاتون ناول نگار 'اگاتھا کرسٹی' نے اپنے ہم عصر ادیب ابن صفی کی جس انداز سے مدح سرائی کی ہے اس سے ان کے فن اور قد کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ 1965 کے آس پاس کا واقعہ ہے کہ فکشن رائٹر اگاتھا کرسٹی کہیں جاتی ہوئی کراچی ایرپورٹ سے گزری تھیں۔ چند لوگوں کو پہلے سے علم تھا کہ وہ کچھ دیر وی آئی پی لاؤنج میں قیام کریں گی۔ وہ ان سے ملنے گئے۔ کسی نے دوران گفتگو جاسوسی لٹریچر کا ذکر کیا تو وہ مسکرائیں اور بولیں:

''مجھے اردو نہیں آتی لیکن برصغیر کے جاسوسی لٹریچر سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی ہوں۔ صرف ایک اور یجنل رائٹر ابن صفی ہے اور سب اس کے نقال ہیں، کسی نے بھی اس سے الگ ہٹ کر راہ نہیں نکالی۔''

اردو زبان کی جرمن اسکالر ڈاکٹر کرسٹینا اویسٹر ہیلڈ نے جب ابن صفی کے ناولوں کو پڑھا تو بے حد متاثر ہوئیں اور انہوں نے جرمن زبان میں ترجمے کا کام بھی شروع کیا ہے۔ ڈاکٹر کرسٹینا کے بقول:

''وہ (ابن صفی) بہت باشعور ادیب تھے۔ ان کے ناولوں میں مکالمے اور طنز و مزاح خوب پائے جاتے ہیں۔ selfcriticism بھی موجود ہوتا ہے۔ ان میں دیباچے بھی ہوتے ہیں۔''

وہ مزید کہتی ہیں:

''ابن صفی کی جس بات سے میں سب سے زیادہ متاثر ہوں وہ یہ ہے کہ ان کے کردار 'فریدی' اور 'عمران' کبھی کسی عورت کی جانب نگاہ بد پھیرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ابن صفی کے جاسوسی ناول کی جاسوسی ادب میں اس لحاظ سے انوکھی حیثیت ہے کہ اس میں ایک مشن یا مقصد موجود ہے۔ اس لئے اسے محض تفریحی ادب نہیں کہا جاسکتا۔ ان کے جاسوسی ناولوں میں فکری و ذہنی تربیت بھی پوری طرح موجود ہوتی ہے۔''

ناول نگاری میں نئی جہت کا انتخاب

جنگ عظیم دوم کے بعد خصوصاً 1945ء میں جب ہیروشیما اور ناگاساکی کو ایٹم بموں کا ہدف بنایا گیا، انسانیت کی تذلیل کی گئی تو کرخت مضامین ہمارے ادب کا حصہ بن گئے۔ گل و بلبل کی داستانیں قصہ پارینہ ہوگئیں۔

اختر حسین شیخ لکھتے ہیں:

''ساڑھے انیس کروڑ مربع میل رقبے والے اس کرۂ ارض کے کونے کونے میں ان موضوعات نے جنم لیا جن کا تعلق حیاتِ انسانی سے تھا، ہے اور رہے گا۔ پھر صاحب توفیق قلم کاروں نے کرخت عنوان کو موضوع سخن بنایا اور ابن صفی نے برصغیر میں اس نئی منزل کا تعین کیا اور اس کا 'اسپ تازی' اس راستے پر سرپٹ دوڑنے لگا۔ تقریباً تین سو کتب منظر عام پر آئیں۔''

دوسری جنگ عظیم کے بعد دنیا میں جو بے اطمینانی اور بے یقینی پھیلی ہے اور مہلک ہتھیاروں کی ایجادات نے انسان کے مستقبل کو جس طرح غیر محفوظ بنا دیا ہے اس کی وجہ سے انسان روز بہ روز داخلیت پسند اور فراری ذہنیت کا حامل ہوتا جارہا ہے۔ یہ داخلیت پسندی ہی فرد کو اس کی ذات تک محدود رکھتی ہے اور باہر کی دنیا سے اندر کی طرف سفر اور فرار اختیار کرنے پر انسان کو مجبور کردیتی ہے۔ انسان کو خود غرض اور خود پسند بنا کر ایسے ادب کی تخلیق کرواتی ہے جو نہ فرد کے کام آتا ہے اور نہ ہی جماعت کے۔ ایسے عالم میں ابن صفی کے ناول نہ صرف غنیمت ہیں بلکہ انسان کو خود غرضی اور خود پسندی کے صحرا سے نکال کر اجتماعیت کا شعور عطا کرتے ہیں بھلے ہی جدید ادبا اور نقادوں نے ابن صفی کی تخلیقات پر ''فراری ادب'' کا ٹھپہ کیوں نہ لگایا ہو۔ اگر جدید ادب کے نقاد ذرا بھی غور و فکر کرتے تو انہیں اندازہ ہوجاتا کہ ادب میں ابن صفی کا ''فرار'' درحقیقت خود غرضی سے فرار ہے اور اَن دیکھے اندیشوں اور خطرات سے آگاہ کرکے ایک قسم کی تطہیر کا

عمل ہے جو انسان کو اندیشوں سے نجات دلا کر عمل پر آمادہ کرتا ہے، انسانی نفسیات کو مثبت راہ دکھاتا ہے۔ اچھا ادب وہی ہو سکتا ہے جو نہ صرف انسان کے شعور کی تطہیر کا کام انجام دے بلکہ زندگی میں نئے توازن کی تلاش میں بھی معاون ہو۔

جاسوسی ادب کیوں؟

ابن صفی اپنے ہر ناول میں ''پیش رس'' ضرور لکھتے تھے۔ اس میں وہ اپنے قارئین کو مشورے اور ان کے بعض خطوط کا جواب بھی دیتے تھے۔ اگر ان کے ''پیش رس'' کو ہی جمع کر دیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس میں ابن صفی نے ادب کے جو چراغ جلائے ہیں اور حالات حاضرہ پر جو ادبی شہ پارے لکھے ہیں' ان کو ادب میں معتبر اور عظیم مقام دینے کے لئے کافی ہیں۔ 'پیش رس' کے مطالعہ سے بڑی حد تک ان کے ناول کی مقصدیت خود مصنف کے قلم سے واضح ہو جاتی ہے۔

لوگ عموماً ابن صفی سے سوال کرتے تھے کہ انہوں نے سرّی ادب ہی کیوں منتخب کیا۔ دیگر رائج موضوعات مثلاً عشق و محبت پر کیوں نہیں لکھا؟ اس کا جواب انہوں نے عمران سیریز کے ایک سو چھبیسویں ناول ''لاشوں کا بازار'' کے دیباچے میں یوں دیا:

''میں نے کوشش کی ہے کہ پڑھنے والوں کے مشوروں پر پوری طرح عمل کیا جائے لیکن بعض مشورے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں قابل اعتنا نہیں سمجھتا کیونکہ میرا اپنا معیار بھی تو کوئی چیز ہے۔ یہ مشورے جن پر میں کان نہیں دھرتا زیادہ تر عشقیہ اور جنسی ناولوں کے لئے ہوتے ہیں۔ میں ان پر کان یوں نہیں دھرتا کہ یہ سب میرے بس کا روگ نہیں۔ نہ میں افلاطونی عشق کا قائل ہوں اور نہ جنسی بے راہ روی کا۔ لہٰذا آپ کو میرے ناولوں میں نہ لیلیٰ مجنوں کی کہانیاں مل سکتی ہیں اور نہ کسی ڈان ژون کی داستان۔ ویسے میری جاسوسی ناول نویسی کی داستان ہی اس داستان سے شروع ہوتی ہے:

غالباً یہ 1952ء کی بات ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایک نشست میں کتابوں اور مصنفوں کی مقبولیت کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ جنسی لٹریچر کے علاوہ اور کسی کی مارکیٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بس اسی دن سے مجھے دھن ہو گئی کہ کسی طرح جنسی لٹریچر کا سیلاب رکنا چاہئے۔ کافی سوچ و بچار کے بعد یہ طے پایا کہ جدید طرز پر جاسوسی ناولوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے لہٰذا جاسوسی دنیا کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ اس وقت اردو کے جاسوسی لٹریچر میں آنجہانی تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم یا محترم ظفر عمر حیات کے چند ناولوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا لیکن جاسوسی دنیا کے اجرا کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی ہندو پاکستان میں جاسوسی لٹریچر کا سیلاب آ گیا اور آج میں اُن صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جنسی لٹریچر کا وہ سیلاب کہاں ہے؟ مگر ان کی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچتی۔''

ابن صفی اپنے ناول ''تیسری ناگن'' کے دیباچہ میں تحریر کرتے ہیں:

''...مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں 'ادب' کی بھی کچھ خدمت کروں۔ عجیب بات ہے کہ جب میرا کوئی ناول بہت پسند کیا جاتا ہے تو مجھ سے 'ادب' کی خدمت کرنے کی فرمائش ضرور کی جاتی ہے۔ بھائی آپ تو صرف مجھے اردو کی خدمت کرنے دیجئے (اس کے باوجود کہ صَرف و نحو کی غلطیاں مجھ سے بھی سرزد ہوئی ہوں گی) آپ میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مجھے کسی سندھی بھائی یا بنگالی بھائی کا خط بہ ایں مضمون ملتا ہے کہ محض آپ کی کتابیں پڑھنے کے شوق کی وجہ سے اردو پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کر سنانے والوں کا احسان کہاں تک لیا جائے۔ اب بتایئے 'ادب' کی خدمت کروں یا میرے لئے 'اردو' ہی کی خدمت مناسب ہوگی۔ ویسے اپنے نظریات کے مطابق میں ادب کی بھی خدمت کر رہا ہوں، سوسائٹی کی بھی اور میری اس خدمت کا اندازہ نہ تو بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتا ہے اور نہ وقتی مصلحتوں کے تحت کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔ بہر حال میں قانون کا احترام کرنا سکھاتا ہوں۔''

اسی کالم میں ابن صفی مزید رقم طراز ہیں:

''کچھ لوگ 'ادب' میں میرے مقام کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آپ کی نظروں میں میرا کوئی نہ کوئی مقام ضرور ہے ورنہ آپ کو اس کی فکر ہرگز نہ ہوتی۔ ویسے اگر آپ 'ادب میں مقام' کے سلسلے میں مجھ سے کچھ سننا ہی چاہتے ہیں تو سنئے۔ اساطیری کہانیوں سے لے کر مجھ حقیر کی کہانیوں تک آپ کو ایک بھی ایسی کہانی نہ ملے گی جس میں جرائم نہ ہوں...اور آج بھی آپ جسے بہت اونچے قسم کے ادب کا درجہ دیتے ہیں اور جس کا ترجمہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے، کیا جرائم کے تذکروں سے پاک ہوتا ہے؟ کیا اس کے مضرت رساں پہلوؤں پر ہمارے نقاد کی نظر پڑتی ہے؟ اگر

نہیں... تو کیوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ کہانیوں میں بھی (جو دراصل ذہنی فرار کا ذریعہ ہوتی ہیں) پولیس یا جاسوس کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔ چلئے پولیس کو اس لئے برداشت کر لیں گے کہ وہ للکار کر سامنے آتی ہے لیکن جاسوس تو بے خبری میں پتا نہیں کب گردن دبوچ لے۔ لہٰذا اگر مجھے ادب میں کوئی مقام پانے کی خواہش ہے تو جاسوس کو چھٹی دینی پڑے گی۔ لیکن میں اس پر تیار نہیں۔ کیونکہ مجھے ہر حال میں شر پر خیر کی فتح کا پرچم لہرانا ہے۔ میں باطل کو حق کے سامنے سر بلند نہیں دکھانا چاہتا۔ میں معاشرے میں مایوسی نہیں پھیلانا چاہتا... ایسی مایوسی جو غلط راستوں پر لے جائے۔''

ابن صفی نے اپنے ''پیش رس'' میں جاسوسی ادب کے مقاصد پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ اتنے سارے امور اور موضوعات پر لکھا ہے کہ ان کا احاطہ اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں۔ 'پیش رس' کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہم عصروں نے انہیں زک پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن انہوں نے ایسے ردعمل کا کبھی بھی مظاہرہ نہیں کیا جس سے کسی کی دل شکنی مقصود ہو۔ ان کے درجنوں نقال پیدا ہوئے۔ ان کے کرداروں کی بھی کردار کشی کی گئی؟ ان کے ناولوں کو جرائم میں اضافے کا سبب بھی قرار دیا گیا۔ اس کے باوجود ان کا ردعمل ہمیشہ مثبت ہی رہا اور وہ صبر و عزیمت کے پیکر بنے رہے۔

ایسے لوگ جو جرائم میں اضافہ کی وجہ جاسوسی ادب کو سمجھتے تھے اور ہیں، انہیں ابن صفی نے ''مہلک شناسائی'' میں معقول جواب دیا ہے:

''آج میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ میں نے ہابیل، قابیل والی ٹریجڈی سے پہلے کوئی جاسوسی ناول نہیں لکھا تھا لیکن کوّا بے چارہ آج تک پشیمان ہے کہ اس نے حضرتِ آدم کو مٹی کھود کر دفن کر دینے کا فن کیوں سکھایا؟ کوّے کا خیال ہے کہ اس کی اس غلطی کی بنا پر آج اولادِ آدم آدمی ہی کو زندہ دفن کر دینے کے فن میں طاق ہو گئی ہے۔

اوپر کی عبارت کا مفہوم مع سیاق و سباق سلیس اردو میں لکھئے اور اردو ادب کے ان چودھریوں کو روانہ کیجئے جو یہ فرماتے ہیں کہ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہونے کا سبب جاسوسی لٹریچر ہے۔ یقین کیجئے وہ آپ کے اس حل شدہ امتحانی پرچے کی رسید تک نہ دیں گے۔ کیونکہ پرچہ ان کا اپنا سٹ کیا ہوا نہیں ہے، یا ہو سکتا ہے وہ آپ کو لکھ بھیجیں کہ ہابیل اور قابیل والی ٹریجڈی غلط فہمی کی بنا پر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں سمجھتے تھے کہ اب کوئی دوسری عورت پیدا ہی نہ ہو گی لیکن وہ کبھی اس کا اعتراف نہ کریں گے کہ سارے ہی جرائم کسی نہ کسی غلط فہمی کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔''

اسی کالم میں جرائم کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ابن صفی تحریر کرتے ہیں:

''مستقبل سے مایوسی غلط فہمی ہی کی پیداوار ہے اور آدمی کو جرائم کی طرف لے جاتی ہے۔ مستقبل سے مایوس ہو کر یا تو آدمی جرائم کرتا ہے یا پھر کسی ایسے کرنل فریدی کی تلاش میں ذہنی سفر کرتا ہے جو قانون اور انصاف کے لئے بڑے سے بڑے چہرے پر مُکّا رسید کر سکے اور یہی تلاش ہیروازم کی کہانیوں کو جنم دیتی ہے۔''

اُردو ناول اور ابن صفی

[26 اپریل 1928 — 26 جولائی 1980]

از: محمد عارف اقبال

جاسوسی ادب اور معاشرہ

ابن صفی کے جاسوسی ادب نے کوئی مجرم پیدا نہیں کیا کیونکہ انہوں نے جاسوسی ادب کو معاشرے کی اصلاح کے لئے استعمال کیا۔ ان کے یہاں مجرموں کے لئے معافی نہیں ہے۔ وہ مجرموں کو سزا ضرور دلواتے ہیں اور ان کا عبرتناک انجام ان کے پڑھنے والوں کے لئے ایک سبق ہوتا ہے۔ اور نہ ہی ان کے یہاں مجرم ہیرو ہوتا ہے۔ ''بے چارہ شہ زور'' کے پیش رس میں ابن صفی لکھتے ہیں:

''عالم بالا سے پلاٹ نہیں ٹپکتے، اس زمین پر جنم لیتے ہیں اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے اسی سے متعلق لکھوں گا۔ کسی جاگیردار کے مظالم کی داستان سن کر یہ پلاٹ ترتیب دیا تھا... اس قسم کے مظالم کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔ 'علامہ دہشت ناک' اس کی ایک ممکنہ صورت ہے۔ ہر چند کہ جاگیردار کے جرم اور قانون کے محافظوں کی چشم پوشی نے اسے ایک بہت بڑا مجرم بنا دیا تھا لیکن قانون بہر حال اپنی جگہ اٹل ہے... مجرم کو سزا ضرور ملے گی خواہ دوسروں کے لئے وہ کتنا ہی قابل رحم کیوں نہ ہو۔''

ابن صفی نے جاسوسی ادب کے ذریعہ معاشرے کی اصلاح اور فلاح کا کام بخوبی انجام دیا۔ اس سلسلے میں ان کی سوچ کا کنویس بہت وسیع تھا۔ وہ ''بزدل سورما'' کے پیش رس'' میں لکھتے ہیں:

''آپ اچھے ہوں یا برے جس گھر میں آپ بیٹھے ہیں اس کے در و دیوار کی حفاظت آپ پر واجب و لازم ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی حفاظت کیجئے۔ آنکھیں کھلی رکھئے کہ کہیں آپ نادانستگی میں تو اس گھر کی تباہی کا باعث نہیں بن رہے ہیں۔ صوبائی عصبیت، فرقہ وارانہ منافرت اور دشمنوں کے فراڈ سے بچنے کا سلیقہ تو آپ میں ہونا ہی چاہئے۔''

اپنے ناول ''ہلاکو اینڈ کو'' کے پیش رس میں ابن صفی لکھتے ہیں:

''ہر وقت چوکنے رہئے کہ کہیں آپ خود ہی غیر شعوری طور پر دشمن کا آلۂ کار تو نہیں بن رہے! کسی افواہ کو دوسروں تک پھیلانے والا نادانستگی میں دشمن کی مدد کرتا ہے۔ اس وقت قومی یکجہتی کی حفاظت کرنا ہی ملک و قوم کی سب سے بڑی خدمت ہوگی۔''

ابن صفی نہ صرف بھانت بھانت کے ازموں (isms) کے مخالف رہے بلکہ اسلام کے ماننے والوں میں در آنے والی برائیوں اور خرابیوں پر بھی تنقید کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے بہت سے ناولوں میں مختلف انداز سے سماجی اور مذہبی خرابیوں کو اجاگر کیا ہے۔ ''دھواں ہوئی دیوار'' کے پیش رس میں لکھتے ہیں:

''شہنشائیت نے اسلامی سماجی ارتقا کی راہ روک لی تھی ورنہ دنیا کے بھانت بھانت کے ازموں کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور بھائی اسلام کو تو تماشا بنا لیا ہے یار لوگوں نے، جسے دیکھو ایک نئی تفسیر لئے دوڑا آرہا ہے لیکن اب وہ وقت دور نہیں جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا...''

ادب اور ادبی رویہ

ادیب کو نہایت ٹھنڈا مزاج ہونا چاہئے اور یہ خوبی ابن صفی میں بدرجہ اتم موجود تھی۔ وہ ہر قسم کی محفلوں میں اپنی جگہ بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے حلقہ احباب میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی سے لے کر ایک ناخواندہ شخص تک شامل تھا جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتا تھا۔ وہ ہر آدمی کی بات نہایت تحمل سے سنتے اور اس بات کا کبھی اظہار نہ کرتے کہ اس شخص کی موجودگی ان کے لئے ناقابل برداشت ہے بلکہ وہ ہر بات غور سے سنتے اور بعض اوقات تو کچھ باتوں کو وہ اپنی تحریر کا ایک حصہ بھی بنا لیتے تھے۔ حال ہی میں ان کے بعض ناولوں کے ایک کردار محبوب نرالے عالم کا کراچی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے انتقال کی خبر سے پہلے کم ہی لوگوں کو معلوم تھا کہ محبوب نرالے عالم آخری مغل تاجدار دہلی بہادر شاہ ظفر کے پڑپوتے تھے۔ 'نوائے وقت' کی رپورٹ کے مطابق نرالے عالم استاد محبوب کی شخصیت بے حد مقبول تھی اور ادبی اجتماعات میں بھی ان کی شرکت ہوا کرتی تھی۔ ابن صفی نے شاہی نسل کے اس ''غریب شاعر'' کے زندہ کردار کو اپنے ناول میں

جگہ دے کر اسے لافانی کردار میں بدل دیا۔

ابن صفی کے ناولوں کا بنیادی مقصد سماج سے برائیوں کا خاتمہ اور لوگوں کو قانون کا احترام سکھانا تھا۔ وہ اپنے قارئین کو تخریب سے تعمیر کی طرف مسلسل سفر کی تلقین کرتے رہے تاکہ جرائم سے پاک سماج کی تشکیل ہو۔ انہوں نے طاؤس ورباب کی غیر فطری رومانی دنیا سے حقیقی دنیا کی طرف پیش قدمی کے لئے اکسایا۔ وہ دنیا میں ہونے والے واقعات اور حالات سے ہمہ دم خود واقف رہتے اور اپنے قارئین کو بھی اس کی طرف متوجہ کرتے۔ اردو ادب کو روایتی آلائشوں سے پاک کر کے انہوں نے شفاف ادب کا تعارف کرایا تاکہ اس تجرباتی دنیا میں لوگ ارتقائی عمل کو محسوس کر سکیں اور اپنے وجود کو فلاحی اور انسانی کاموں کے لئے تیار کریں۔ وہ اردو زبان سے حقیقی محبت کرتے تھے، لہٰذا چاہتے تھے کہ دنیا کے ہر حصے میں اس زبان کے پڑھنے، بولنے اور لکھنے والے موجود ہوں۔ انہوں نے اس کام کے لئے ادب میں ایک ایسی صنف کا تجربہ کیا جس میں وہ سو فیصد ہی نہیں بلکہ اس سے زائد کامیاب ہوئے۔ ابن صفی سے قبل وہ اسرار ناروی کے نام سے معروف ہی نہیں بلکہ ایک اچھے اور معیاری شاعر کی حیثیت سے اپنی شناخت رکھتے تھے۔ ان کی نظمیں اور غزلیں بے حد مقبول تھیں۔ وہ چاہتے تو شعری ادب کو ہی ادب کی خدمت تصور کرتے۔ لیکن جنگ عظیم دوم کے بعد دنیا کے نازک حالات اور اردو زبان و ادب کے بتدریج انحطاط نے ان کو ناول نگاری کی طرف متوجہ کیا۔ ابن صفی حساس طبیعت تھے۔ ان کو ہر طرح کے جرائم سے نفرت اور انسانیت سے محبت تھی۔ ''ادبی جرائم'' بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھے۔ لہٰذا اپنی پُرعزم اور حساس طبیعت کی وجہ سے انہوں نے جاسوسی ادب کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا۔ وہ چاہتے تو ایک بڑے شاعر کے طور پر اپنے کو ابھارتے اور اس وقت ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا۔ تاہم انہوں نے شاعری سے اپنا رشتہ منقطع تو نہیں کیا البتہ اس صنف کو انہوں نے اس وقت کے حالات میں اردو یا اردو ادب کی ترقی کے لئے موزوں خیال نہیں کیا۔ ابن صفی کے چند نمونے کے اشعار ملاحظہ ہوں:

تمام عالمِ امکاں شراب خانہ ہے
یہ اور بات ہے زاہد سبو نہ پہچانے

گھٹ کے رہ جاتی ہے رسوائی تک
کیا کسی پردہ نشیں سے ملئے

یہ سرخیاں سی اُفق میں، یہ پھیکی پھیکی کرن
لہو میں ڈوبا ہوا ہے سحر کا پیراہن

بالآخر تھک ہار کے یارو ہم نے بھی تسلیم کیا
اپنی ذات سے عشق ہے سچا باقی سب افسانے ہیں

ہم پہ صدیوں کی پیاس طاری ہے
قطرے قطرے کا ہو رہا ہے حساب

کارواں منزلِ مقصود پہ کیوں کر پہنچے
راہبر راہزنوں سے جو کریں پیار کی بات

وہ جس کا سایہ گھنا گھنا ہے
بہت کڑی دھوپ جھیلتا ہے

جو بوئے گل پہ نہ ہو ان کی دسترس اے دل!
چمن میں ایسی بھی پابندیوں سے کیا حاصل

تختۂ دار ہی بن جائیں گے تیرے شب و روز
دل کی باتوں کو کبھی عقل کے سانچے میں نہ ڈھال

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرار
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی

ابن صفی کے ادبی شہ پاروں کے مطالعہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اردو ادب کے حوالے سے وہ یقینی طور پر ایک عہد کے موجد ہیں۔ ان کے انتقال کو تقریباً اٹھائیس سال ہو چکے ہیں لیکن ان کی تحریریں نہ صرف آج زندہ ہیں بلکہ اپنی شگفتگی اور خوشبوؤں سے اردو دنیا کو مسلسل معطر کر رہی ہیں۔ ابن صفی اردو ادب کی حقیقی خدمت کو ہی ترجیح دیتے تھے۔ اس لئے انہوں نے نام ونمود سے ہمیشہ فاصلہ بنائے رکھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نقادوں نے تو ان کی شناخت نہیں کی لیکن وہ اپنے پڑھنے والوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی تحریر کی سحر انگیزی نسلاً بعد نسلٍ اپنے لافانی کرداروں کے ساتھ محبان اردو کے قلب وذہن

کو مسخر کرتی رہی ہے۔

ابن صفی کا مطالعہ ہی نہیں بلکہ مشاہدہ بھی عمیق اور وسیع تھا۔ وہ شاعری اور ادب کے ساتھ ساتھ تاریخ، فلسفہ، نفسیات، جنسیات اور سائنس کے تمام اُفق کے شناور تھے اور ان کی علمیت ان کے تخلیق کردہ ہر فقرے میں جھلکتی ہے۔ ان کی تحریروں میں ادب کی ایسی چاشنی ہے کہ سیکڑوں بار پڑھے پڑھائے جملے بھی ہر بار نئے لگتے ہیں اور پڑھنے والا ان کی تحریر میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ ان کے جاسوسی ادب نے اُس دَور میں لوگوں کو پڑھنے کی ترغیب دی جو کتابوں کو ہاتھ میں لینا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اس کے برعکس اردو ادب کی منقسم تاریخ کے حوالے سے ابن صفی ایک ایسے مظلوم ادیب اور ناول نگار نظر آتے ہیں جن کے کارنامے کو نام نہاد ادیبوں اور نقادوں کے ایک طبقہ نے لائق اعتنا ہی نہیں سمجھا بلکہ بڑے ہلکے انداز سے انہیں ''کمرشیل رائٹر'' قرار دے کر ادب کے سرد خانے میں ڈال دیا۔ تاہم وقت کا پہیا اپنی رفتار سے گھومتا رہا اور ابن صفی کی تحریروں نے ثابت کر دیا کہ انعامات اور اعزازات کے بغیر بھی وہ سماج کے ہر طبقے کے نمائندہ ادیب اور ناول نگار ہیں۔ کیونکہ ان کے ناول ادب اور فن پر نہ صرف پورے اترتے ہیں بلکہ ان کے ناولوں میں سماج کے ہر طبقے کے نمائندہ کردار موجود ہیں۔ جاسوسی ادب کی ڈگر سے ذرا ہٹ کر انہوں نے ایک ایسا ناول بھی لکھا جس کا مرکزی کردار اس سماج کا طلسماتی ہیرو ہے جو ہر زمانہ اور ہر تہذیب و ثقافت اور سماج میں نمائندہ کردار رہا ہے۔ ''پرنس چلّی'' ابن صفی کی ایک ایسی فنکارانہ تخلیق ہے جس میں انہوں نے سراغ رسانی سے انحراف کر کے اپنی غیر معمولی صلاحیت کا خصوصی طور پر لوہا منوایا۔ یہ ایسا کردار ہے جو اپنے منصوبوں کی بنیاد پر بہتر مستقبل کے حسین خواب دیکھتا رہا ہے۔ اب اگر یہ منصوبے الگ کر دیئے جائیں تو انسانی زندگی بنجر زمین کی طرح ہو جائے۔ اس ناول کا مرکزی کردار ''چلّی'' ہے لیکن شیخ چلّی کے روایتی کردار سے الگ ہٹ کر وہ ایک نئی دنیا میں سانس لیتا ہے جس کے منصوبے اور ارادے کو اختتام نہیں ہے، وہ حالات سے بے خبر اپنی منزل کی طرف اپنے منصوبوں کی تکمیل کی خاطر اندھا دھند بڑھتا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح ''تزک دو پیازی'' اور متعدد ادبی کہانیاں، خاکے، انشائیے لکھ کر ابن صفی نے اردو ادب میں جاسوسی ادب کے آغاز سے قبل ہی ممتاز مقام بنا لیا تھا۔

ابن صفی — ناول نگاری کی کسوٹی پر

اردو فکشن کی تنقید میں ڈپٹی نذیر احمد کے بعد پنڈت رتن ناتھ سرشار، مولوی عبدالحلیم شرر، سجاد حیدر یلدرم، مرزا محمد ہادی رسوا، منشی پریم چند، عبدالقادر سروری بڑے نام تسلیم کئے جاتے ہیں۔ فکشن پر تنقیدی خیالات پیش کرنے والے بعد کے نقادوں میں کلیم الدین احمد، کشن پرشاد کول، عزیز احمد، آل احمد سرور، احتشام حسین، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر احسن فاروقی، ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری، قاضی عبدالودود، مولوی عبدالحق، علی عباس حسینی، مولانا صلاح الدین احمد، مجنوں گورکھپوری، وقار عظیم، محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، ڈاکٹر محمد حسن اور ڈاکٹر قمر رئیس جیسے حضرات نمایاں خیال کئے جاتے ہیں۔

تاہم فکشن کی تنقید پر پہلی مبسوط کتاب عبدالقادر سروری نے ''دنیائے افسانہ'' کے نام سے لکھی جو 1927ء میں مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد سے شائع ہوئی۔ یہاں فکشن کے سلسلے میں عبدالقادر سروری کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں تاکہ اس کی روشنی میں ابن صفی کی ناول نگاری کا ادبی اور فنی جائزہ خود ہی واضح ہو جائے۔

عبدالقادر سروری کہتے ہیں:

''عمدہ ناول قاری کے دل میں ایسا احساس پیدا کر دیتا ہے جو دنیا کی تہذیب کے بنانے میں رفیع الشان ذریعہ بن جاتا ہے۔ اس احساس کو عموماً لفظ ہمدردی سے موسوم کیا جاتا ہے۔''

ناول کے تنوع اور وسعت پذیری کے بارے میں عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''ہم کو مغربی اقوام سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ افسانہ نگاری کے ذریعے قوم کے جاہل سے جاہل طبقوں کو کس طرح تعلیم دی جانی چاہئے۔ آج کل یورپ میں ناول ہر قسم کی تعلیم کا بہترین ذریعہ تصور کیا جا رہا ہے اور وہاں اس سے لوگ ایسے ایسے کام لے رہے ہیں جو کسی دوسرے ذریعے سے بہ مشکل انجام پا سکتے۔''

عبدالقادر سروری مزید لکھتے ہیں:

''ناول نگار کا مہتم بالشان فرض یہ ہے کہ مقصد جو محرک قصہ ہو، نہایت اعلیٰ ہونا چاہئے۔ تمام مستند ناول نگار کسی اعلیٰ مقصد کو منزل مقصود قرار دے کر ان کی طرف گامزنی شروع کر دیتے ہیں اور اسی لئے ان کے ناول میں فلسفۂ اخلاق کا کچھ نہ کچھ جز ضرور پایا جاتا ہے۔''

کردار نگاری سے منظر نگاری تک

اگر ابن صفی کے تمام ناولوں کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ ان کا ہر ناول ادب اور فن کی کسوٹی پر کسا ہوا ہے۔ بالخصوص کردار نگاری اور منظر نگاری کا فن ان کے یہاں درجۂ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ ان کے ناول میں ہر کردار قارئین کے ذہن و قلب پر ایسے انمٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے جیسے وہ چلتے پھرتے کردار ہوں۔ کرنل فریدی، عمران، حمید، قاسم، آصف، انور، رشیدہ، روشی، جولیا، صفدر، جیمسن، ظفر الملک، اماں بی، ثریا، سلیمان، جوزف، فیاض اور سَر سلطان جیسے کردار کسی بھی ملک اور سماج میں سانس لیتے ہوئے پائے جاسکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان کرداروں پر ابن صفی کی گرفت انہیں اعلیٰ تخلیقی فنکار کے درجے پر فائز کرتی ہے۔ اسی طرح انہیں منظر نگاری پر بھی ملکہ حاصل تھا۔ وہ منظر نگاری میں لفاظی سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں تاہم وہ ہر منظر کے ایک ایک جز کی تفہیم اس طرح کراتے ہیں کہ قاری کے سامنے اس منظر کی بعینہٖ عکاسی ہوتی ہے۔ منظر نگاری سے قاری کا ذہن بوجھل نہیں ہوتا بلکہ اسے ایسی توانائی حاصل ہوتی ہے کہ بے ساختہ وہ اس منظر میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگتا ہے۔ ان کے ناولوں کا وصف یہ بھی ہے کہ وہ سماج کے عام کرداروں کو اپنی کہانیوں میں اس خوبصورتی سے پروتے ہیں کہ ناول کے مستقل کردار کے ساتھ وہ کردار بھی اپنی جگہ زندہ، منفرد اور مکمل محسوس ہوتے ہیں۔ درحقیقت یہی سماج کے نمائندہ کردار ہیں جو اپنی فکری آزادی، چال چلن، عادات واطوار، دوستی ودشمنی اور جذبات و احساسات کے اعتبار سے سماج کے ہر طبقے میں سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ماں باپ، بھائی بہن، سوتیلی ماں، نوکر، خادمہ، پڑوسی، دوست، طالب علم، استاد، پیشے کے ساتھی، کسی ہوٹل کا منیجر یا بیرا، کسی محکمہ کا باس اور اس کے جونیئرس، صحافی، پولیس اہل کار، فوجی، غنڈے، ایک اجنبی سبھی ان کرداروں میں شامل ہیں۔

ابن صفی کا طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ وہ سماج میں رہنے والے کسی ادنیٰ فرد کے کردار کو بھی اتنی جامعیت اور چابکدستی سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کے سامنے اس کردار کی شخصیت کے تمام خط و خال آئینے کی طرح واضح ہو جاتے ہیں نیز اس کی نفسیات، سوچ، فطری جذبات و احساسات فنی لحاظ سے نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے ہر ناول میں کردار نگاری اپنے شباب پر نظر آتی ہے۔ اسی طرح سماج کے منفی کرداروں کو بھی ابن صفی نے اتنے سلیقے سے برتا ہے کہ بہت سے کردار منفی ہونے کے باوجود لافانی دکھائی دیتے ہیں اور سماج میں کہیں نہ کہیں سانس لیتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض منفی کردار سے قارئین کو ہمدردی بھی محسوس ہوتی ہے۔ ان میں سنگ ہی، مادام تھریسیا، ڈاکٹر نارنگ، ڈاکٹر جیرالڈ شاستری، ڈاکٹر ہرمین، نانوتہ، علامہ دہشت ناک، الفانسے، فنچ، بوغا، ضرغام، ہمبگ دی گریٹ، پروفیسر درانی، جابر اور نادر جیسے کردار خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ابن صفی نے اپنے بہت سے ناول مستقبلیات (Futurology) کی روشنی میں لکھے۔ بالخصوص سائنسی ترقی اور اس کے منفی اثرات پر انہوں نے برسوں قبل جو انکشافات کئے، اردو ادب کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ معروف نقاد ڈاکٹر عبدالمغنی مرحوم کہتے ہیں کہ ناول ''پیاسا سمندر'' ادب کا شاہکار ہے۔

اگر ابن صفی کے تمام ناولوں کا الگ الگ ادبی اور فنی جائزہ لیا جائے تو ہر ناول کے کردار، اس کی تھیم اور منظر نگاری پر گرانقدر تفصیلات فراہم کی جاسکتی ہیں۔

ابن صفی کے ناولوں سے چند زرّیں اقتباسات

- ''میں عموماً بنجر زمین پر کاشت کرتا ہوں اور کچھ نہیں تو کانٹے دار پودے ہی اُگا لیتا ہوں اور وہ کانٹے میرے لئے خون کی بوندیں فراہم کردیتے ہیں۔'' [مہکتے محافظ]
- ''اگر میں اس سڑک پر ناچنا شروع کردوں تو مجھے دیوانہ کہو گے لیکن لاشوں پر ناچنے والے سورما کہلاتے ہیں۔ انہیں اعزاز ملتے ہیں، ان کی چھاتیاں تمغوں سے سجائی جاتی ہیں۔'' [خطرناک لاشیں]
- ''آدمی کی حقیقت اس کا جسم نہیں بلکہ دماغ ہے۔ گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ آدمی کا دماغ ہی اسے سربلند کرتا ہے۔ دنیا اس کے قدموں پر جھکتی ہے اور جب یہی دماغ ناکارہ ہوجاتا ہے تو قدموں پر جھکنے والے اسی گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو پکڑ کر پاگل خانے میں بند کردیتے ہیں اور دو پیسے کے آدمی اس پر ڈنڈے برسایا کرتے ہیں۔'' [پانی کا دھواں]
- ''میں جانتا ہوں کہ حکومتوں سے سرزد ہونے والے

جرائم — جرائم نہیں حکمتِ عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔'' [جونک کی واپسی]

- ''جو عبادت آدمی کو آدمی نہیں بنا سکتی میں اس عبادت کے بارے میں اپنی رائے محفوظ رکھنے پر مجبور ہوں۔''

[صحرائی دیوانہ، حصہ: دوم]

- ''دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ قدرت خود ہی اسے اس کے مناسب انجام کی طرف ڈھکیلتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت کے نیچے آرام کی نیند نہ سو سکو، زمین پر فتنوں کے علاوہ اور کچھ نہ اُگے۔''

[ہیروں کا فریب]

- ''ایک پرندے کو سنہرے قفس میں بند کر کے دنیا کی نعمتیں اس کے لئے مہیا کر دو لیکن کیا وہ پرندہ تمہیں دعائیں دے گا؟'' [دشمنوں کا شہر]

- ''یہاں اس ملک میں تمہارے ناپاک ارادے کبھی شرمندۂ تکمیل نہیں ہو سکیں گے۔ یہاں کی فضا میں ایسا معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا جو خدا کے وجود سے خالی ہو۔'' [جہنم کی رقاصہ]

- ''جب کوئی ذہین اور تعلیم یافتہ آدمی مسلسل ناکامیوں سے تنگ آ جاتا ہے تو اس کی ساری شخصیت صبر کی تلخیوں میں ڈوب جاتی ہے۔'' [موت کی آندھی]

- ''یہ فرنگی بھی عجیب ہوتے ہیں۔ ان کی ایک ٹولی لوگوں پر گولیاں برساتی ہے اور دوسری ٹولی زخمیوں کی مرہم پٹی بھی کرتی پھرتی ہے۔ ان کا نشان ایک دوسرے کو کاٹتی ہوئی دو سرخ لکیریں ہوتی ہیں۔'' [خطرناک ڈھلان]

- ''ہمارا فلسفہ کہتا ہے کہ آدمی سے تکلف نہ کرنا چاہئے۔ جانور اس وقت تک نہیں ملتے جب تک ان کا آپس میں تعارف نہ ہو...'' [تابوت میں چیخ]

- ''خانہ بدوشی کی زندگی اور کتّوں کی زندگی میں کیا فرق ہے؟'' ''کچھ بھی ہو... لیکن دنیا کی زیادہ تر آبادی کتوں ہی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ کچھ کو پالتو بنا لیا جاتا ہے اور کچھ آزادی سے کم از کم بھونک تو سکتے ہیں۔ میں دوسری قسم کے کتوں کی نسل سے تعلق رکھتا ہوں۔'' [گیت اور خون]

- ''آدمی کا جسم ہی اس کا وطن ہے اور ایک دوسرے کے وطن کی حفاظت ہر آدمی کا فرض ہے۔'' [تابوت میں چیخ]

- ''آدمی کس قدر بے چین ہے مستقبل میں جھانکنے کے لئے۔ شاید آدمی اور جانور میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ جانور مستقبل سے بے نیاز ہوتا ہے اور آدمی مستقبل کے لئے مرا جاتا ہے۔'' [سہ رنگا شعلہ]

- ''... میں جنسیت کو ایک سیدھا سادہ مسئلہ سمجھتا ہوں۔ جسے آدمی جیسے سمجھدار جانور کے لئے اتنا پیچیدہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ شاعری کرنے لگے۔'' [جنگل کی آگ]

- محبت میں ایسا وقت بھی آتا ہے انسان پر
  کہ تاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگِ جاں پر

''خدا کے لئے مجھے ایسے سڑے بسے شعر مت سنایا کرو''
''اصغر گونڈوی کا شعر ہے جناب''
''اللہ تعالیٰ کا تو نہیں ہے''
''کیوں کیا خرابی ہے اس شعر میں''
''اس قسم کی کیفیت صرف کافی تعداد میں بھنگ پی جانے پر پیدا ہو سکتی ہے۔'' [خون کا دریا]

- ''مجھے اپنی شکستوں پر رونا نہیں آتا... کیونکہ وہ میری ہی طرح ہیں۔ اگر میرے ہونٹ سوّر کی تھوتھنی جیسے ہوتے تو میں انہیں کاٹ کر پھینک نہ دیتا۔'' [خون کا دریا]

- ''کیا تم مرنا چاہتی ہو؟''
''ہاں میں مرنا چاہتی ہوں''...
''اچھا تو اردو کے عشقیہ ناول پڑھنا شروع کر دو۔ تم بہت جلد بور ہو کر مر جاؤ گی۔'' [بھیانک آدمی]

- ''مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری ذہانت کسی ویرانے کی دلدل میں پھنس کر آخری ہچکیاں لے رہی ہوں۔''

[خطرناک بوڑھا]

ان جیسے ہزاروں زریں اقتباسات ابن صفی کے ناولوں سے کشید کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم یہ چند اقتباسات ہی ابن صفی کے ناولوں کی تھیم، مقصد، ان کی اعلیٰ کردار نگاری اور ادبی مقام کا پتہ دیتے ہیں۔ جس وقت ابن صفی نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اس وقت ان کی عمر صرف 52 سال 3 مہینے تھی۔

Urdu Book Review
1739/3 (Basement), New Kohinoor Hotel, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-110002
Ph: 011-23266347 Mobile No. 0-9953630788